عقیدۂ توحید کی عظمت واہمیت

از: یرید احمد نعمانی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِيُ خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21) الَّذِيُ جَعَلَ لَكُمُ الأَرْضَ فِرَاشاً وَالسَّمَاء بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (22) ......(سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزرے ہیں؛ تاکہ تم متقی بن جاؤ (21) (وہ پروردگار) جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے رزق کے طور پر پھل نکالے۔ لہٰذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ؛ جب کہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو۔ (22)“ (آسان ترجمۂ قرآن)

تشریح وتوضیح:

قرآن کریم سرچشمۂ ہدایت ہے۔ یہ اللہ رب العالمین کی وہ آخری الہامی کتاب ہے، جو اس نے اپنے آخری نبی جناب نبی کریم ﷺ پر اتاری۔ یہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو فلاح، نجات اور سعادت کا راستہ دکھاتی رہے گی۔ اس کلام مبین سے کون فائدہ اٹھاتا ہے اور کون انکار کرکے اپنے لیے ابدی شقاوت کا سامان اکٹھا کرتا ہے؟ اس کا جواب سورت بقرہ کی ابتدائی آیات سے ہی مل جاتا ہے۔ جن میں رب کریم نے انسانوں کے تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ مومنین ۲۔ کافرین ۳۔ منافقین

ابتدائے سورت میں ہر ایک کی الگ الگ صفات بیان فرمانے کے بعد، تمام انسانوں کو ”یا ایھا الناس“ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اس خطاب میں مومن مخلص بھی داخل ہے اور کافر ومنافق بھی۔ قرآن مجید میں یہ پہلا خطاب ہے، جس میں اللہ رب العالمین پوری انسانیت کو کسی

لحاظ وامتیاز کے بغیر اپنی ذات عالی کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں اور بندوں کو اپنی قدرتِ کاملہ اور الوہیتِ مطلقہ سے آگاہ کرنے کے لیے ”آفاقی اور انفسی نعمتوں“ کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔

یعنی کچھ نعمتیں تو وہ ہیں جو براہ راست انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہیں۔ بعضے ایسی ہیں جن کا تعلق انسان کے اردگرد پائی جانے والی چیزوں سے ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، خود اس کا وجود ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی نوراللہ مرقدہ اس حوالے سے لکھتے ہیں: ”نیست سے ہست اور نابود سے بود کرنا، پھر بطن مادر کی تاریکیوں اور گندگیوں میں ایسا حسین وجمیل، پاک وصاف انسان بنا دینا کہ فرشتے بھی اس کی پاکی پر رشک کریں، یہ سوائے اُس ذات حق کے کس کا کام ہوسکتا ہے، جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔“ (معارف القرآن: 133/1)

جب کہ آفاقی نعمتوں میں چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ زمین ۲۔ آسمان
۳۔ بارش ۴۔ زمین سے غلہ اگنا

ان چاروں نعمتوں کے خالق ومالک بھی صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہیں۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر ان کی تخلیق وپیدائش کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ غرض! انسان کو حاصل تمام نعمتیں خواہ ان کا تعلق اس کی ذات سے ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہیں۔ اور بندگی والوہیت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم آیاتِ بالا کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں: ”ان دو آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ اور مختصر انداز میں اس کی دلیل بھی بیان کردی گئی ہے۔ اہل عرب یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنا، زمین وآسمان کی تخلیق اور آسمان سے بارش برسانا، اور اس سے پیداوار اگانا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے کام بتوں کے سپرد کر رکھے ہیں۔ اور وہ بت اپنے اپنے کاموں میں براہ راست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہم ہیں اور ہمیں کائنات چلانے کے لیے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، تو عبادت کسی اور کی کرنا کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔“ (آسان ترجمہ قرآن: 49/1)

آیات ﷺ حدیث نبوی کے آئینے میں

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ کے پیارے نبی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سا گناہ اللہ کے ہاں بڑا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ (ذات میں یا صفات میں) حالاں کہ اسی نے تمھیں تن تنہا پیدا کیا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ صحیحین: 80/1)

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا: ”اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ (پھر ارشاد فرمایا بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ) اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔“ (حوالہ بالا)

شریعت مطہرہ میں عقیدۂ توحید کی حفاظت کا کس قدر حکم دیا گیا ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن الفاظ سے شرک کا معمولی شائبہ بھی پیدا ہوسکتا ہو، شارع علیہ السلام نے امت کو اس سے اجتناب کا حکم فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں طفیل رضی اللہ عنہ، جو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی بھی ہیں، کا واقعہ لائق مطالعہ ہے۔

وہ فرماتے ہیں: ”ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ میں یہود کی ایک جماعت کے پاس سے گزر رہا ہوں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم یہودی ہیں۔ میں نے یہ سن کر کہا: ”تم وہی قوم ہو جس نے عزیر ابن اللہ (کا مشرکانہ جملہ) کہا تھا۔“ جواب میں وہ کہنے لگے: ”تم لوگ بھی ایسی (شرک سے مشابہ باتیں) منہ سے نکالتے ہو کہ **ماشاء اللّٰہ وماشاء محمد** (جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہے) کہتے ہو۔“ طفیلؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرا گزر عیسائیوں کی ایک جماعت پر ہوا۔ ان سے بھی یہی دریافت کیا۔ انھوں نے کہا ہم عیسائی ہیں۔ میں نے کہا تم وہی قوم ہو جس نے المسیح ابن اللہ (کا مشرکانہ جملہ) کہا تھا۔ جواب میں انھوں نے بھی یہود والی بات دہرائی۔“

حضرت طفیلؓ کہتے ہیں کہ صبح ہوئی تو جس کو اس بارے میں خبر دے سکتا تھا، دے دی۔ پھر اللہ کے پیارے نبی علیہ اسلام کی خدمت میں حاضری دی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

آپ علیہ السلام نے دریافت فرمایا: ”کیا آپ نے اس بارے میں کسی اور کو بھی خبر دی ہے؟“ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ علیہ السلام نے کھڑے ہوکر خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا: ”طفیلؓ نے ایک خواب دیکھا ہے۔ وہ جس جس کو تم میں سے خبر دے سکا، دے دی۔ یاد رکھو! تم

لوگ ایک ایسا کلمہ کہتے رہے ہو، جس کے روکنے سے مجھے اب تک رکاوٹ تھی۔ بس (آج کے بعد) تم لوگ ”**ماشاء اللّٰہ و شاء محمد**“ کا جملہ نہ کہو بلکہ (اس کی جگہ) صرف **ماشاء اللّٰہ** کہو۔“ (بن کثیر: 80/1)

نکات ومعارف

۱...... ”یا ایھا الناس“

مذکورہ جملے کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تو مطلب ہوگا: ”اے انسانو“۔ اس کی لغوی تحقیق وتشریح کے بعد امام عبداللہ بن احمد نسفیؒ اس طرز خطاب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ”قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اس طرح کا خطاب لایا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جن اوامر ونواہی، وعدو وعید کا مخاطب بناتے ہیں وہ اپنی جگہ عظیم الشان ہیں۔ لہٰذا بندوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ غفلت سے نکل کر کامل بیداری اور قلبی میلان کے ساتھ ان ندآتِ ربانیہ کی طرف متوجہ ہوں۔ یہی سبب ہے کہ اس طرزِ تخاطب کو عربی زبان کے اعتبار سے بہت زیادہ مُوکّد بنایا گیا ہے۔“ (مدارک: 32/1)

۲...... ”عبادت“ کا مفہوم ومطلب:

عبادت کے معنی اپنی پوری طاقت مکمل فرماں برداری میں صرف کرنا اور خوف وعظمت کے پیش نظر نافرمانی سے دور رہنا۔ (معارف القران بحوالہ روح البیان: 132/1)

اسی بات کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے ایک ملفوظ میں یوں بیان فرمایا ہے: ”اگر انسان میں عبدیت پیدا ہوجائے تو وہ انسان ہے ورنہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ انسانیت حقیقی یہی ہے کہ عبدیت ہو، فنا ہو، افتقار رہو، انکسار ہو، عجز ہو؛ کیوں کہ یہ سب علامات ہیں عبد کامل کی۔ اسی عبدیت کی بدولت ہر وقت انسان کے اندر ایک حتیاج کی سی کیفیت غالب رہتی ہے، جو عین مقصود اور مطلوب ہے۔“ (ملفوظات حکیم الامت: 141/4)

۳...... وجود باری تعالیٰ پر چند اقوال:

امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ”اس کائنات کو بنانے والا کوئی ہے؟“ انہوں نے جواب میں فرمایا: ”شہتوت کا پتہ جس کا ذائقہ ایک ہے؛ لیکن اگر ریشم کا کیڑا اسے کھائے تو اس سے ریشم نکلتا ہے۔ اگر شہد کی مکھی کھائے تو اس سے شہد نکلتا ہے۔ اگر گائے، بکری اور دیگر چوپائے اس

اپنے پیٹ میں ڈالیں تو یہ گوبر اور مینگنی کی صورت میں باہر نکلتا ہے۔ ہرن کھالے تو مشک نکلتا ہے؛ حالاں کہ چیز ایک ہی ہے؛ مگر صورتیں مختلف بن رہی ہیں۔“ (یہ مختلف نتائج ایک شئی سے کس طرح برآمد ہو رہے ہیں)

کسی عرب بدو سے جب خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل پوچھی گئی تو اس نے کہا: ”سبحان اللہ! جب اونٹ کی مینگنی اس پر دلالت کرتی کہ یہاں سے اونٹ گزرا ہے۔ کسی مسافر کے نقش قدم سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس راستے سے اس کا گزر ہوا ہے۔ تو پھر یہ آسمان جو ستاروں سے چمک دمک رہا ہے۔ یہ زمین جو راستوں سے سجی ہوئی ہے اور یہ سمندر جو لہروں کے ساتھ جوش مار رہا ہے، کیا کسی ایسی ہستی کے ثبوت و وجود پر دلالت نہیں کرتا جو خوب باخبر بھی ہے اور تمام چیزوں کے حقائق و اسرار سے واقف بھی؟“

ابن المعتز شاعر کہتا ہے ؎

فَیَا عَجَباً کیفَ یُعْصَیٰ الْإِلٰہُ   اَمْ کیفَ یَجْحَدُہُ الجاحِدُ
وَفِیْ کُلِّ شَيْئٍ لَـہٗ ایۃ   تَدُلُّ علی أَنَّـہٗ وَاحِـدُ

ترجمہ: تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے کی جاسکتی ہے یا اس کے وجود سے کوئی کیسے منکر ہوسکتا ہے؟ جب کہ ہر چیز میں اس کے وجود کی نشانی اور دلیل موجود ہے۔ جو بہ زبان حال پکار پکار کر گواہی دے رہی ہے کہ وہ اکیلا و یکتا ہے اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ (ابن کثیر: 82/1)

٤……”انداد“ کسے کہتے ہیں؟

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”انداد وہ شرک ہے، جو اندھیری رات میں سیاہ پتھر کے اوپر چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ پوشیدہ اور مخفی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھی جاسکتی ہے کہ کوئی یوں کہے: ”اللہ کی قسم اور تمہاری زندگی کی قسم!“ یا کوئی یوں بولے: ”اگر یہ کتا ہماری چوکیداری نہ کررہا ہوتا تو رات گھر میں چور آجاتے“ اسی طرح کوئی انسان اپنے دوست سے یہ کہے کہ ”جو اللہ چاہے اور تم چاہو“ یہ تمام کے تمام الفاظ اور جملے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک صحابیِ رسول نے یوں کہا: ”جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں“ یہ سن کر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو؟“ (ابن کثیر: 81/1)

حاصل کلام

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی نور اللہ مرقدہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر ”معارف القرآن“

میں آیات بالا کا خلاصہ یوں ذکر کرتے ہیں: ”عقیدۂ توحید جو اسلام کا سب سے پہلا بنیادی عقیدہ ہے، یہ صرف ایک نظریہ نہیں؛ بلکہ انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانے کا واحد ذریعہ ہے۔ جو انسان کی تمام مشکلات کا حل، اور ہر حالت میں اس کے لیے پناہ گاہ اور ہر غم وفکر میں اس کا غم گسار ہے۔ کیوں کہ عقیدہ توحید کا حاصل یہ ہے کہ عناصر کے کون وفساد اور ان کے سارے تغیرات صرف ایک ہستی کی مشیت کے تابع اور اس کی حکمت کے مظاہر ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ عقیدہ کسی کے قلب ودماغ پر چھا جائے اور اس کا حال بن جائے تو یہ دنیا ہی اس کے لیے جنت بن جائے گی۔ سارے جھگڑے فساد اور ہر فساد کی بنیادیں ہی منہدم ہوجائیں گی۔ اس عقیدہ کا مالک ساری دنیا سے بے نیاز، ہر خوف وخطر سے بالاتر زندگی گزارتا ہے؛ مگر ظاہر ہے کہ توحید محض کا زبانی اقرار اس کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ سچے دل سے اس کا یقین اور استحضار ضروری ہے؛ کیوں کہ توحید خدا.....

واحد دیدن بود، نہ واحد گفتن

کلمہ لا الہ الا اللہ کے پڑھنے والے تو آج دنیا میں کروڑوں ہیں اور اتنے ہیں کہ کسی زمانے میں اتنے نہیں ہوئے؛ لیکن عام طور پر یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ توحید کا رنگ ان میں رچا نہیں ورنہ ان کا بھی وہی حال ہوتا جو پہلے بزرگوں کا تھا کہ نہ کوئی بڑی سے بڑی قوت وطاقت ان کو مرعوب کرسکتی تھی اور نہ کسی قوم کی عددی اکثریت ان پر اثر انداز ہوسکتی تھی۔ نہ کوئی بڑی سے بڑی دولت وسلطنت ان کے قلوب کو خلاف حق اپنی طرف جھکا سکتی تھی۔ ایک پیغمبر کھڑا ہوکر ساری دنیا کو للکار کر کہہ دیتا تھا کہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ”**کیدون فلا تنظرون**“ انبیا کے بعد صحابہ وتابعین جو تھوڑی مدت میں دنیا پر چھا گئے، ان کی طاقت وقوت اسی حقیقی توحید میں مضمر تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو یہ دولت نصیب فرمائیں۔“ (معارف القرآن: 139/1)

* * *